

## شاہ جی، ایک متحرک شخصیت

قافلے ہاد بہاری کے جدھر جاتے ہیں  
پھول تو پھول ہیں کانٹے بھی نکھر جاتے ہیں

ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسیر شریعت کے بیان و تقریر میں تاثر کا سبب ان کا روحانی تزکیہ بھی تھا کیونکہ انہوں نے غنغوان شہاب میں سلوک و طریقت کی کئی منزلیں طے کی تھیں۔ اور سرزنش نفس کے لئے دو دو سال تک متواتر روزے رکھے۔ چمے چمے گھنٹے میں قرآن مجید ختم کیا۔ شب زندہ داری کا یہ عالم تھا کہ خود فرمایا کرتے تھے میں نے ستاروں سے بازی لگادی تو انہیں ہرا دیا۔ جب ریاضت طبعیت پر غالب آجائے تو پھر زبان کا رس سر آفرینی کا کام کرتا ہے۔ زمین کی وحشیں اس کے آگے سمٹ کر رہ جاتی ہیں اور فضا پر اس کی حکمرانی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ ہم نے بارہا محسوس کیا کہ جب اسیر شریعت کی خطابت زور پر آتی تو زمین اور آسمان کے درمیان سکوت کا عالم طاری ہو جاتا اور کائنات کا ذرہ ذرہ جھومتا نظر آنے لگتا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد انگریز نے ہندوستان پر رولٹ ایکٹ رائج کیا تو ملک میں نفرت و غصہ کی آگ بھڑک اٹھی امرتسر میں جلیا نوالہ باغ کا واقعہ مزید غصہ و غضب کا سبب بنا۔ مسلمانوں میں تحریک خلافت نے سر اٹھایا۔ ظلم و تشدد کے خلاف احتجاج کی بنیاد ڈالی گئی۔ مولانا داؤد غزنوی نے اس موقع پر نہایت جسارت سے کام لیا اور انگریز کے خلاف سر دھڑکی بازی لگادی۔ اسی اثناء میں مولانا داؤد غزنوی نے اسیر شریعت کو اپنا ہم خیال بنا کر آئادہ احتجاج کیا۔ یہاں طبعیت پہلے ہی سے معرکہ حق و باطل کے لئے تیار تھی۔ فوراً سیاسی خطیب کی حیثیت سے میدان عمل میں آگئے۔ ہندوستان کا چپہ چپہ چان مار اور انگریز کے خلاف ایسی مدلل اور ولولہ انگیز تقاریر کہیں کہ ظالم کے ایوان استبداد میں دراڑیں پڑنے لگیں۔ آپ نے عمر عزیز کا ہر لمحہ استخلاص وطن کے لئے وقف کھویا۔ ان کا ایک جملہ ہمیشہ احباب کے درمیان گھومتا رہا ہے۔ وہ زندگی کی تقسیم پر فرمایا کرتے تھے۔

"کچھ ریل میں کٹ گئی اور کچھ جیل میں کٹ گئی"

عقیدہ کے لحاظ سے اسیر شریعت حنفی مسلک کے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے اسلاف سے انہیں وابہانہ عقیدت تھی نہ تو کٹر وہابی تھے اور نہ روایتی صوفی۔ وہ تصوف کو اسلام کی جزو سمجھتے تھے۔ اور ہر سلسلے کے بزرگوں سے انہیں قلبی ربط تھا۔ قدوة السالکین حضرت مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ گوڑہ شریعت سے بیعت تھے۔ ان کے وصال کے بعد لہسنی روحانی لڑتوں کو برقرار رکھنے کے لئے حضرت شیخ عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کر لی۔ اس طرح سے اسیر شریعت کی زندگی دو کامل بزرگوں کے درمیان بسر ہونے لگی۔ اور یہ کبھر دینا بھی بے ہا نہ ہو گا کہ اسیر شریعت کی زندگی مجموعہ اصدا تھی۔ ملنگوں میں ملنگ خطیبوں میں خطیب۔ حالموں میں عالم درویشوں میں درویش اور سیاست دانوں میں غضب کے سیاست دان۔ ان کی مغل میں جب بھی کسی کو بیٹھنے کی سعادت ملی تو وہ پکارا اٹھتا

پر تو منت نہ کبھد در زمین و آسمان  
اندرون خانہ حیرانم کہ چوں جا کردہ

مفضل کو ہمیشہ کثرت زعفران بنا دیتے۔ مستدین اساتذہ کا کلام از بر تھا۔ فارسی عربی اور اردو کے اشعار اس سلیقہ سے ادا کرتے کہ جاہل سے جاہل انسان بھی مفہوم و معنی پانے میں دقت محسوس نہ کرتا۔ اور ہر طرح کے طبائع کو لطف اٹھانے کا موقع ملتا۔ ان کی مفضل میں امیر و غریب کے ساتھ برابر کا سلوک کیا جاتا۔ اور ہر ایک یہ خیال لے کر اٹھتا کہ امیر شریعت میرے ہیں گویا وہاں خلوص و محبت کے ایسے گلدستے تیار کئے گئے تھے کہ جن کی ملک اور خوشبو سے ہر طبقہ کے لوگ فیض یاب ہوتے۔ امیر شریعت حزن و یاس کے عالم میں بھی ہمیشہ خندہ پیشانی سے رہے۔ اور ہر مصیبت کو اس طرح لبیک کہا کہ شاید ان کی آغوش میں آکر پیغام مسرت و رحمت بن گئی ہے۔ ان کا اگر کوئی کمزور پہلو تلاش کیا جائے تو اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ وہ حسن کے فریفتہ تھے۔ حسن کائنات کی جس چیز میں بھی انہیں نظر آتا وہ اس پر وارفتہ ہو جاتے۔

ناصر کو بلاؤ میرا ایمان منب لے  
پھر دیکھ لیا اس نے محبت کی نظر سے

امیر شریعت کو تذہب بنی القرآن کا ملکہ ازل ہی سے ودیعت ہوا تھا۔ زندگی بھر مسائل مختلفہ پر قرآن مجید کی آیتیں تلاش کرتے رہے۔ اور اس کی تائید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آئمہ کبار کے حالات جمع کرنے میں لگے رہے۔

لطیفہ بازی اور برجستہ گوئی میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔ جب خطابت کی سر آفرینیوں کا جلوہ دکھاتے تو جم غفیر کو آہ و بکا، نالہ و فریاد پر مجبور کر دیتے اور پھر اسی لمحے میں ظرافت کے ایسے پھول بکھیر دیتے کہ تمام کا تمام مجمع ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو جاتا۔

ہر علاقہ کی زبان پر انہیں تصرف و تبحر تھا۔ اور ہر علاقہ کے اہل حق و عادات سے بھی کماحقہ واقف تھے۔ جہاں گئے لوگوں نے آنکھیں بچھا دیں۔ لیکن اپنے دادا جان اور والدہ ماجدہ کی سنت کے مطابق بے انتہا سنبہ نیاز تھے کسی سے کوئی چیز لینے کے روادار نہ تھے۔ البتہ اپنے مخلصین کے تحفے قبول فرماتے تھے۔ سادگی کا یہ حال تھا کہ بعلیٰ اختر آبادی۔ مغرب خانہ پر قدم رنجہ فرمایا۔ گھر میں رولت افزو ہوئے تو ہر کسی کی مزاج پر سی فرمائی۔ میری بیوی نے عرض کیا اباجان کھانا تیار ہے۔ یہاں تناول فرمائیں گے یا در پر۔ فرمایا بیٹی تمہارے پاس چٹائی پر بیٹھ جاتا ہوں۔ میں بیٹھ کر کھالوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ بین الاقوامی شہرت کا وہ خطیب جو ہر نظر میں محبوبیت کا درجہ رکھتا ہو جس کی توجہ کا مستحق بڑے سے بڑا آدمی ہو۔ اس سادگی کے ساتھ ایک غریب انسان کے ہاں تلطف و آسیریاں فرما رہا ہو کہ جس کی مثال آج ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتی۔ میری بھی عطیہ بتول ان دنوں کوئی سال دو سال کی ہوگی۔ آپ کے سامنے کھیل رہی تھی۔ اسے اٹھا کر گود میں بٹھالیا۔ میں نے عرض کیا حضرت اس نے اگر پیشاب کر دیا تو آپ کو زحمت ہوگی۔ فرمایا بابو تمہیں ان کی عظمت کا اور عزت کا کیا پتہ (میرے میاں) یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا مقام پوچھو۔ میرا بھانجہ حبیب

الرحمن سولنگی آپ کا مرید تھا۔ زندگی کی ۱۹ ویں بہار دیکھ رہا تھا کہ داعی اجل کو لبیک کہا امیر شریعت پہلے ہی سے اس کی علالت ہیسم کا علم رکھتے تھے۔ میں نے اس کے انتقال کی اطلاع کی تو بہت زیادہ غمزدن خاطر ہوئے اور جواب میں صرف یہ شعر لکھ دیا

گر پیر نود سالہ بمیرد عجیبے نیت

ایں ماتم سنت است کہ گوئند جوان مرد

پھر ملاقات پر کچھ ایسے انداز میں اظہار تعزیت فرمایا کہ جانتا ہوا صبر پھر لوٹ آیا۔ لاریب یہ کہنا پڑے گا کہ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں انسانیت کا احترام اور دوستوں، عزیزوں کی پریشانیوں کا دکھ درد بدرجہ اتم تھا۔ وہ جب بھی کسی کو آرزوہ خاطر دیکھتے تو مضطرب ہو جاتے۔ اس معاملہ میں ان کا یہ نظریہ تھا۔

صدیوں کی جان درد کا قالب دیا مجھے

جو کچھ دیا کسی نے مناسب دیا مجھے

حالات کے خاکے بتلاتے ہیں کہ امیر شریعت کے نظریات میں پیچگی اور اصول کی پاسداری کا لحاظ نہایت ضروری تھا۔ ان کے سلسلہ مؤثر و ارادت میں جو بھی ایک دفعہ منسلک ہو گیا وہ عمر بھر کے لئے انہی کا ہو گیا۔ حتیٰ کہ ایسے لوگ بھی امیر شریعت سے وابستہ رہے ہیں جنہیں ان سے سیاسی اختلاف تھا۔ مگر تعلقات میں کبھی کوئی فرق نہ آنے پایا۔ یہ اس لئے کہ وہ ایک مومن کا ایمان اور مسلمان کا اخلاق رکھتے تھے۔ ان کا دل ہر طرح کی گرد کدورت سے صاف تھا۔ علامہ اقبال مرحوم سے دلی تعلق پیدا ہوا تو ہمیشہ اس کے احترام کا خیال رکھا۔ جب کبھی ان کے ہاں جاتے تو راز و نیاز کی باتیں ہوتیں ان کی سنتے اور اپنی سناتے۔ وہ کوئی تازہ نظم سناتے تو حضرت امیر شریعت داد دیتے۔

بڑی ہمتیوں کے بارے میں ان کی رائے اٹل ہوتی گاندھی جی کو سیاست کا ہمتا مانتے۔ پنڈت موتی لال لورسری آرداس کو پکا نیشنلسٹ مالویہ جی اور ولجہ بھائی پٹیل کو کٹر ہندو، مولانا آزاد کو علم کا بحر بیکراں، جواہر لال نہرو کو ایک سیاسی انسان، مولانا حسین احمد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو تھوڑی و طہارت کا مہمہ، مولانا مفتی کفایت اللہ کو وقت کا ابو حنیفہ سمجھتے تھے۔

شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ کو براکھنہ والوں کے متعلق فرماتے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے تاکہ وہ شاہ اسماعیل شہید کے مقام کو پہچان سکیں۔ صاحب زادہ طاہر محمود صاحب گورنر جو طبقہ بریلویت سے مانوس ہیں ملتان میں حضرت امیر شریعت سے اس ارادے کے ساتھ ملنے گئے کہ اسماعیل شہید اور تقوۃ اللہ الایمان کے بارے میں ان سے استفسار کیا جائے۔ چنانچہ جب امیر شریعت کے ہاں پہنچے تو آپ نے حسب معمول مزاج پرسی فرمائی۔ صاحبزادہ طاہر محمود صاحب سے نہایت ہی محبت سے پیش آئے اور فرماتے رہے کہ آپ خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ چاچڑی کی نسل سے ہیں اس لئے مجھ پر احترام کرنا واجب ہے۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید کے بارے میں بات چٹھ گئی تو الماری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس سے کتاب منسوب امامت کمال للہ کتاب لائی گئی آپ نے اس کی وہ عبارت پڑھ کر سنائی جو

انبیاء نوع دیگر اند کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ پھر فرمایا۔ صاحبزادہ صاحب منصب لامت کی زبان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ الایمان کی عبارت شاہ اسماعیل شہید کے قلم کی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ منصب لامت اور تقویٰ الایمان کی زبان میں بیان و انداز کا تضاد ہے۔ حضرت امیر شریعت کے اس نظریہ نے صاحبزادہ موصوف کے دل میں ایسا گھر کیا کہ وہ آج تک شاہ اسماعیل شہید کے بارے میں رطب اللسان میں اور حضرت بخاری کے مدح خواں۔

اسلام پور تحصیل لیاقت پور میں اہل سنت و شیعہ حضرات کی ہمیشہ سے مذہبی چپقلش رہی تھی۔ جانین سے مناظرہ و مباحثہ اور عہدہ کی سال بہ سال تیاری ہوتی رہتی۔ جلسہ منعقد ہوتا تو دونوں طرف کے علماء اپنے اپنے پینڈال میں ایک دوسرے کی تردید کرتے اور زور خطابت سے اپنے دعویٰ کو سہا دیکھانے کی کوشش کرتے۔ حضرت امیر شریعت اہل سنت کے جلسہ میں تشریف لائے تو منتظمین جلسہ سے کہا میاں اس طرح سے کوئی معاملہ طے نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی پر حقیقت مشکف ہوتی ہے۔ بلکہ ضد اور مخالفت کو رواہ ملتی ہے۔ آپ کی تقریر کے وقت کا اعلان ہوا تو سنی اور شیعہ دونوں جلسہ گاہ میں آسجود ہوئے۔ شاہ جی نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا۔ میں جنگ لڑنے نہیں آیا اور نہ ہی مناظرہ و مباحثہ کا قائل ہوں۔ میں براہن و دلائل کے زور سے کسی کو کوئی بات سنانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ شیعہ حضرات سے صرف اتنا کہوں گا کہ وہ چار آدمی اپنی طرف سے ایسے تیار کریں جو صلی فطرت ہوں۔ میں ان کے ساتھ مدینہ منورہ جانے کو تیار ہوں۔ وہاں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آستان مقدس پر عرض کیا جائے گا کہ حضور اصحاب ثلاثہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار فرمادیں۔ اگر حضور نے جواباً فرمایا کہ یہ میرے ہیں تو پھر تمہیں بھی ان پر ایمان لانا پڑے گا۔ اور اگر حضور نے کوئی جواب مرحمت نہ فرمایا تو پھر میں تمہارا ہی عقیدہ و مسلک اختیار کر لوں گا۔ حضرت امیر شریعت کا یہ فرمانا تھا کہ جلسہ گاہ کی فصاحت اللہ اکبر کے فلک شگفت نعروں سے گونج اٹھی اور اس کا یہ اثر مرتب ہوا کہ پھر کبھی مناظرانہ انداز میں وہاں پر جلسے و جلوس منعقد نہ ہوئے۔ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی اس تقریر نے ان کے عقیدہ کو بھی صاف کر دیا جو کہ بعض لوگوں کے دلوں میں کھٹک رہا تھا شاہ جی حیات انبیاء کے قائل تھے یا نہیں بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ جن لوگوں کو اسلاف دیوبند سے گھرا اور قریب کا واسطہ ہے وہ حیات انبیاء کے منکر ہو ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ علمائے دیوبند کا ہر فرد گرامی حیات انبیاء کا قائل ہے اور یہ عقیدہ حضرات دیوبند کے نزدیک اصول کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند سے لیکر مسم دارالعلوم قاری محمد طیب کی ذات تک اس بات کے قائل ہیں کہ حضور پر نور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم روضۃ الطہر میں حیات حسنی کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ نے تو ایک مکتوب میں زیارت قبر نبوی کے متعلق حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو مرجوح قرار دیتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا ہے۔ کہ مدینہ منورہ کی حاضری محض سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہیے۔ آپ کی حیات مطہرہ نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین اور شہداء کو حاصل ہے بلکہ بہت سے وجہ سے اس سے بھی قوی۔ آپ

سے تو مل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا تھا بلکہ اس سے برزخی زمانہ میں بھی کیا جانا چاہیے۔  
یہی بات تھی کہ حضرت امیر شریعت و ثقیل کامل کے ساتھ یہ اعلان فرما رہے تھے کہ اصحاب تلامذہ کے متعلقین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ استفادہ کر لینا چاہیے تاکہ حقیقت کا اصلی پہلو واضح ہو سکے۔  
چونکہ حیات انبیاء کے عقیدہ کا اجمالاً ذکر چھڑ گیا تھا اس لئے اس کی تفصیل پر چند سطور لکھنے پڑے ورنہ ہمارا موضوع صرف حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے صفات و کردار کا ذکر کرنا ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے انہیں خصوصیت کے ساتھ نوازا تھا۔

یوں تو اس دنیا میں بہت سے مقرر و خطیب نامور حیثیت سے رونما ہوئے۔ لیکن امیر شریعت کا مقام کچھ اور نوعیت کا تھا۔ وہ خطابت کے وقت موافق و مخالف کو انگشت بداندال کر دیتے اور دلوں کی بازیابی طرح سے جیت لیتے کہ کسی کو جمال اعراض و انکار نہ ہوتی۔ انگریزی سامراج کے خلاف ان کی خطابت زوروں پر تھی۔ سکھر میں احرار کانفرنس کے موقع پر رات کے دس بجے تقریر کا آغاز ہوا۔ حکومت کا ٹوٹیسی طبقہ اس تاک میں بیٹھا تھا۔ کہ شاہ جی کوئی ناسازب جملہ استعمال کریں تو حشر بپا کیا جائے۔ آپ نے لہجہ کو ذرا تلخ کرتے ہوئے فرمایا جو استقلال و وطن کا حامی نہیں وہ پلید و ناپاک جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ آپ کا یہ کھنکھانا کہ مخالف طبقہ نے پنڈال کو سر پر اٹھالیا۔ لیکن اس باوقار خطیب نے نہایت جلال کے ساتھ لوگوں کے دلوں پر اپنا اثر جمال لیا۔ کانفرنس کی فضا میں کوئی تغیر نہ آنے دیا۔ آواز میں اس وقت بجلی کی سی لکڑ تھی۔ لکڑ کر فرمایا "برطانیہ کے سلطان دم بریدہ غور سے سنو۔ تمہارے اکا کو یہاں سے بستر گول کرنا پڑے گا۔ اور میں پھر بھگتا ہوں کہ جو وطن کی آزادی کا علمبردار نہیں وہ پلید و ناپاک جانور سے بھی بدتر ہے۔"

سبحان اللہ یہ آواز ایک ہادی کی گرج سے کم نہیں تھی۔ سارے پنڈال پر سناتا چھایا ہوا تھا۔ اور امیر شریعت کی صداقت آفرین اور بیدار دلوں کے گلے فتح کر رہی تھی۔ کلام اللہ کی آیت پر آیت استدلال کے طور پیش فرما رہے تھے۔ رات گزرتے کسی کو پتہ بھی نہ چلا۔ صبح پانچ بجے جب مؤذن نے اذان دی تو حضرت امیر شریعت نے یہ فرماتے ہوئے تقریر ختم کی افسوس کہ

مؤذن اذان بے ہنگام برداشت

امیر شریعت کی خطابت میں مفہوم قرآن کا بڑا دخل تھا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تدبر فی القرآن کا ایسا ملکہ عطا کیا تھا کہ وہ کلام اللہ سے دین و دنیا کی ہر شے تلاش کر لیا کرتے تھے۔

پچھلے اوراق میں بیان کیا گیا ہے کہ امیر شریعت کو میدان سیاست میں لانے والے مولانا داؤد غزنوی تھے۔ انہوں نے حضرت امیر شریعت کی تھکلاک آفرین فطرت کو خوب ابھرنے کا موقعہ دیا۔ آپ کا طوطی بولنے لگا۔ مولانا ظفر علی خان، مولانا داؤد غزنوی، جدوہری افضل حق، مولانا مصیب الرحمن لدھیانوی، خواجہ عبدالرحمن غازی اور مولانا مظہر علی ظہر رحمہم اللہ نے ۱۹۲۹ء کو جماعت احرار کی بنیاد ڈال کر پنجاب کی سیاسی زندگی کو بیدار کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اور حضرت امیر شریعت کو احرار کا پہلا صدر منتخب کیا۔

احرار ذہن کا نگرہیں کے ساتھ تھے۔ اس لئے سول نافرمانی کی تحریک میں نمایاں حصہ لیا۔ اس عرصہ میں

انہوں نے ہندو ذہنیت کا اندازہ لگایا تھا۔ اس لئے احرار نے جولائی ۱۹۳۱ء کو پہلی کانفرنس حبیبیہ ہال لاہور میں مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی صدارت میں منعقد کی اور جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ اسپر ہندو پریس آتش زیر پا ہو گیا۔ اور احرار پر کانگریس سے باغی ہونے کا الزام تراشنا شروع کر دیا۔ چونکہ احرار ہندو ذہنیت سے باخبر ہو گئے تھے۔ اس لئے دوبارہ ان کے ساتھ شریک کار نہ ہو سکے۔ جماعت احرار پورے اخلاص سے کام کرتی رہی اور ملک کے مشکلات کے حل کی تدبیریں سوچتی رہی۔ اسپر شریعت کا وجود سراپا احرار تھا۔ دنیا کی کوئی طاقت انہیں مرعوب نہیں کر سکتی تھی۔ اللہ کا نام لے کر میدان عمل میں کود پڑتے۔ پنجاب کے رگ و پے میں طلب آزادی کا خون دوڑ گیا۔ اسپر شریعت جہاں بھی جاتے لوگ ان کی راہوں پر پگھلیں بچھاتے۔ وہ قرآنی منہز کے ساتھ عوام کو دین و سیاست کی پریچ راہوں سے آشنا فرماتے۔ مسلمان کو ان کے مقام سے باخبر کرتے۔ اور بدعات و رسومات کے چادو کو توڑنے کے لئے قرآن حکیم کے مجرب نسخے بتاتے۔ آپ کے اس طرز تبلیغ نے علماء کے دلوں میں آپ کا احترام پیدا کر دیا تھا۔ اور وہ اس بات کے معرفت تھے کہ جو کام ہم نے نہ ہو سکا اس کو حضرت بخاری کی مجاہدانہ روش اور مخلصانہ کاوش نے بدرجہ احسن انجام دیا ہے۔ یہی تاثر تھا کہ محدث العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے برصغیر ہندوستان کے پانچ سوجید علماء و صلحاء کی معیت میں حضرت اسپر شریعت کے ہاتھ پر سیاسی و دینی امارت کے لئے بیعت جہاد کی۔ اس طرح سے آپ علماء ربانین اور صلحائے کاملین کی نظر میں اسپر دین و مہوینت کے درجہ میں آگئے۔ اور مسلم قوم کا درد پہلو میں لیکر قریہ قریہ اور بستی بستی پھرتے رہے۔ بے علم مسلمانوں کو صرف الاسلام علیکم سکھانے میں کئی برس لگا دیئے۔ تاکہ اسلامی معاشرہ اصول دین سے واقف ہو سکے۔ قوم کو عریانی و بے حیائی میں مبتلا پایا تو صرف اس موضوع پر مہینوں بولتے رہے حتیٰ کہ بیت الخلاء تک کے آداب سکھا دیئے۔ حسن اخلاق اور موافقات کے رشتوں کو جوڑنے کے لئے پند و نصائح کے باب کھول دیتے تو سخت سے سخت دل انسان بھی موم کی طرح پگھل جاتا۔ جاہلانہ رسوم و رواج کو نیست و نابود کیا اور عقائد باطلہ کے شبر خبیث کی جڑیں کاٹ ڈالیں۔ لوگوں کی گاللیوں کا جواب ہمیشہ دعا اور طلب ہدایت کے رنگ میں دیا۔ اپنوں کو گود میں بٹھایا تو غیروں کو گنگے لگایا۔ ہر ایک کے حق میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی چاہی۔ اور ہر کسی سے بے لوث محبت کی۔ بہت سی ماؤں کے بیٹے، بسنوں کے بھائی، چھوٹوں کے ابا اور بڑوں کے رازداں تھے۔

اپنے ساتھیوں کی ہمیشہ عزت کرتے اور عوام کے سامنے انہیں اونچا دکھاتے۔ جن جن گھرانوں سے انہیں خصوصی تعلق ہو گیا تھا۔ ان کے حالات سے باخبر ہونے کی کوشش کرتے اور ان کے اعزاز و تکریم کا پورا خیال رکھتے۔

سرمائیکی علاقے کا عمومی ذہن بدعات و رسومات کا دل دادہ اور غلط طریق پر تصوف کے استعمال کا عادی ہے۔ حضرت اسپر شریعت نے قرآن و سنت کی روشنی میں جب یہاں تبلیغی دورہ کیا تو ایک طرہ نے ان کے غلط و ہابیت کا طور بار کھڑا کر دیا۔ یہ بات ان کے کانوں میں پہنچی تو فرمایا۔ "میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ اور نہ کوئی نیا الزام ہے۔ قوم کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ ہمارے واعظ اور مقرر ہی کچھ اس طرح کے

واقعہ ہوئے ہیں کہ وہ قوم میں رسومات بد پھیلا کر اپنی من مانی کرانا چاہتے ہیں۔ اور مجھ سے اسے دور رکھنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ناامید نہیں ہوں۔ قوم میں اب بھی صلاحیت باقی ہے۔ پھر اس طغیانی کے ساتھ اس علاقے کا دورہ کیا کہ ہر گھر میں امیر شریعت کی آواز پہنچی۔ اور لوگوں نے دین کی سچی و صحیح معرفت حاصل کر لی۔

خانپور شہر میں میراث پر تبلیغ کی تورات ہی رات میں ایسے ایسے گھرانوں نے اپنے مال کو شرعی طور پر تقسیم کر ڈالا۔ جن کے خاندانی روایات میں اس طرح کی تقسیم ورثہ کا ذہن ہی نہیں تھا۔

وہ جس موضوع کو اپنی خطابت میں چن لیتے اس پر اس قدرت کے ساتھ براہین و دلائل لاتے کہ سامعین کو بجز تسلیم کرنے کے اور کوئی چارہ ہی نہ ہوتا۔ اور نہ ہی کسی کو مزید سوچنے کی توفیق ملتی۔ ان کی خطابت میں آواز خوش سونے پر سہاگے کا کام کرتی جو ذہن کے بالا خانوں سے ٹکل کر دل کی گھراہٹوں تک جا پہنچتی۔

انگریز دشمنی ان کا ایمان تھا۔ وہ کسی ایسی طاقت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے جس نے چراغ معطفی کے گلے کرنے کی جدوجہد کر رکھی ہو۔ وہ ہمیشہ دشمنان دین سے نبرد آرتا رہے۔ اور اسی جذبہ کے تحت کلکتہ سے خیبر تک اور سرری نگر سے راس کھاری تک کی دور لگائی کوئی ایسا گاؤں اور شہر نہ تھا جس نے امیر شریعت کی درد برہی پکار نہ سنی ہو۔ اور ان کی ایمان افروز تقریر سے بہرہ اندوز نہ ہوا ہو۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی و شیخ الحد مولانا محمود حسن رحمہما اللہ نے ایک راستہ دکھایا تھا میں اس پر چل کر اپنی آخرت کا سامان بنا رہا ہوں۔

بہاول پور جب نواب صاحب بہاول پور کے زیر نگین تھا تو وہاں پر سیاسی مقررین کے خطاب کرنے کا کم موقع ملتا تھا۔ کیونکہ یہاں کے قوانین ہی کچھ ایسے تھے۔ لوگوں نے دوڑ دھوپ کر کے حضرت امیر شریعت کے داخلہ کی اجازت لی۔ آپ شریعت لائے۔ عید گاہ میں جلسہ کا انتظام کیا گیا۔ حد نظر تک لوگوں کا ہجوم تھا قی و حر نے جو جگہ نہ تھی۔ آپ کلباشی ہاتھ میں لئے سٹیج پر شریعت لائے۔ لوگوں نے دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ استقبال کیا۔ نعرہ تکبیر سے فضا گونج اٹھی۔ خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا۔ میں یہاں سیاسی تقریر کرنے نہیں آیا میں نواب بہاول پور اور ان کے خاندان کا احترام کرتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ریاست بہاول پور کو سرسبز و شاداب رکھے۔ مجھے یہاں پر دین کی خوشبو آتی ہے۔ مگر میں یہ پوچھتا ہوں کہ میرے داخلہ پر پابندی صرف اس جرم کے عوض ہے کہ میں ۱۸۵۷ء کے خونی واقعات پر پردہ ڈالنے والوں کو صرف اس لئے غدار کہتا ہوں کہ وہ اسے غدر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور بہادر شاہ ظفر کی جلاوطنی شہزادوں کا خونی گیلی پولی کے مقام پر دروازہ پر لٹکایا جانا۔ گیلی پولی کے مقام پر ٹوانوں اور نونوں وغیرہ کی مصطفیٰ اسماعیل کے خلاف نبرد آزمائی کرنا۔ قسطنطنیہ کے بازاروں میں خلیفۃ المسلمین کی بیٹی کو گھسیٹنا، سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اوپر گولہ باری کرنا اور غلاف کعبہ کا جلانا۔ حرم کے کبوتروں کا زخمی ہونا۔ چھدی سوڈانی کا خرطوم میں سولی پانا وغیرہ کے خلاف احتجاج کرتا ہوں۔ اور انگریز کی ریشہ دوانیوں سے اپنے ہم وطنوں کو آگاہ کرتا ہوں۔ اگر واقعی تمہارے نزدیک میرا یہ جرم باعث گرفت ہے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ میں ایسے جرم کے ارتکاب میں

ایمان کی سلامتی اور دین کا استحکام پاتا ہوں۔ پھر کیا تھا۔ بخاری زندہ باد کے نعروں سے بہاول پور کا طول و عرض گونج اٹھا۔ اور پیر و جوان کے دل ان کی صداقت پر رجمہ گئے۔ حضرت امیر شریعت کی بے لوث خدمت اور دین کی درد مندی کا علم نواب صاحب بہاول پور کے بچا حاجی بلخ شیر کو ہوا تو انہوں نے اس بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہ نواب صاحب پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ آپ کو اپنے یہاں تبلیغ کے لئے دعوت دی۔ جو منظور کر لی گئی۔ حاجی بلخ شیر مرحوم کے مکان کا احاطہ بہت وسیع ہے۔ جہاں ان دنوں بغیر اجازت داخلہ ممنوع ہوا کرتا تھا۔ لیکن حضرت امیر شریعت کی تشریف آوری پر یہ پابندی اٹھادی گئی۔ لوگوں نے نہایت خلوص و محبت کے ساتھ یہاں پر بھی اپنے خلیفہ کا استقبال کیا۔ رات کے سناٹے میں جب امیر شریعت کی قرأت قرآن نے پھول بکھیرنے شروع کئے اور لمن دلوڈی لہنی پوری جولانی پر آیا تو ستاروں نے بھی جھک جھک کر سلام کیا۔ فضا نے آسمان کا ذرہ ذرہ رقص کرتا ہوا نظر آنے لگا۔ آپ نے نہایت جرأت مندانہ انداز کے ساتھ امراء کے عیش پسندانہ ٹھاٹھ و رویہ پر تنقید کی اور غریاء پر ان کے ظلم و ستم کا کھوکھو کرتے ہوئے اُنہی زندگی کا خاکہ کھینچا جو اس دنیا کے چھوڑ جاتے ہی ہر انسان پر وارد ہوتی ہے۔ پھر کیا تھا ہر کسی کے چہرے پر ندامت و تاسف کے آئلو جاری تھے اور بے ثباتی دنیا کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا تھا۔ دلوں پر ایسی کاری ضرب لگ چکی تھی کہ ہائے اور وائے کے سوا کوئی جملہ زبان پر آتا ہی نہ تھا۔ اس تقریر میں توحید باری تعالیٰ، توصیف رسالت و ختم نبوت اور اصلاح معاشرہ پر بہت زور دیا گیا۔ حقوق العباد کا لحاظ اور اس کی تلخی پر نقصان و گرفت کا اندیشہ راعی و رعایا کے تعلقات پر سیر حاصل تبصرہ غرض کہ تبلیغ حق کا پورا پورا ادا کر دیا۔ رات کے آخری حصہ تک تقریر جاری رہی لیکن کسی کی آنکھ پر نیند کے خمار کا اثر نہ پایا گیا۔

جن لوگوں نے امیر شریعت کے جمال صورت کو دیکھا اور ان کی تقاریر کو سنا ہے وہ اس سے متفق ہوں گے کہ جب وہ شیخ پر جلوہ فرما ہوتے اور خطابت اختیار کرتے تو ہزاروں کے مجمع میں ایک متفس بھی ایسا نہ ہوتا جو اپنے دل و دماغ کو کسی دوسری طرف منقطع کر سکتا۔ خطابت کے دوران وہ جلال و جمال کا مرقع بن جاتے ان کا چہرہ انتخاب کی مانند چمک اٹھتا۔ جو ہزاروں انسانوں پر لہنی دلربائی کی کمنڈ ڈال دیا کرتا تھا۔ ان کی مسکراہٹ ممنون و غمناک دلوں کے لئے مسرتوں کا پیغام بن جاتی اور وہ جس طرف بھاگ پر لطف اٹھا کر دیکھ لیتے وہاں بہاروں کے سامان جمع ہو جاتے۔

وہ مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی

دیکھا نظر اٹھا کے تو گلشن بنا دیا

بقول مولانا ابوالکلام آزاد کہ ”کمال مرتبہ حسن اور خوبروئی یہ ہے کہ صرف دوستوں ہی کی نظریں نہ اٹھتی ہوں بلکہ ایک عیب چیں دشمن بھی دیکھے تو بے اختیار ہو کر پکار اٹھے کہ دل ستاں صورتیں اور صبر آرزو چوتنیں ایسی ہوتی ہیں۔“ چنانچہ ہمارے دلربا خلیفہ کی شخصیت میں بھی دل ستانی کے تمام سلیقے موجود تھے۔ سکندر وزارت کے عہد میں آپ راولپنڈی ڈسٹرکٹ جیل میں قید کر دیئے گئے۔ جیل کا انگریز سپرنٹنڈنٹ کرنل باورڈ آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ باوجودیکہ اسے یہ علم تھا کہ امیر شریعت ہمارا کٹر دشمن ہے۔ لیکن وہ آپ



کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے آپ کو بید منٹن کھیلنے پر آمادہ کیا اور جب تک آپ جیل میں رہے اس کے ساتھ ہر شام بید منٹن کھیلنے رہے۔ اس انگریز نے ایک کتاب "ہندوستان کی یاد میں" مرتب کی ہے جس میں وہ امیر شریعت کے بارے میں قلم طراز ہے۔

"جن قیدیوں نے مجھے اثنائے ملازمت میں متاثر کیا ان میں عطا اللہ شاہ بخاری نام کا ایک سیاسی قیدی برٹش ہی ولفریب شخصیت کا مالک تھا۔ اس کا چہرہ مہرہ چرچ کے ان مقدس راہبوں کی طرح تھا جن کی تصویریں یسوع مسیح سے مشابہہ ہوتی ہیں۔ یا پھر ان مستشرقین کی طرح جنہیں یورپ میں خاص عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ہم اسے عرب کے بڑے بڑے کاموسیوں سے بھی تشبیہ دے سکتے ہیں۔

میں اسے اپنا دوست بنانا چاہتا تھا لیکن ہمارے درمیان سب سے بڑی روک ہماری مختلف زبانیں تھیں اس کا بڑا سبب غالباً یہ

تھا کہ وہ ۱۸۵۷ء کے اس اینٹی برٹش ذہن کی باقیات میں سے تھا جنہیں ہمارے پیشرووں نے علماء کو پھانسی دے کر پیدا کیا تھا"

کسی کی ولفریب اداؤں کا جائزہ لیا ہو تو ان سے پوچھیے جو ہمیشہ تنقیدی نگاہ سے دیکھتے رہے ہوں۔ اور اس کی خوبیوں اور محاسن کا اپنی تہذیب و تمدن کے ساتھ مقابلہ کرتے گزر گئی ہو۔ انگریز کی تنگ نظری لو رہے انصافی کو کون نہیں جانتا کہ ہوس سلطنت کی خاطر وہ ہر اچھائی سے منہ پھیر لیتا رہا۔ لیکن حضرت امیر شریعت کے محاسن سیرت و صورت کے سامنے وہ بھی تسلیم و رضا کے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور اور آپ کے حسن کا گھائل ہو گیا تھا۔

صحن چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا  
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے۔

حضرت امیر شریعت کی طبیعت کا یہ

خاصہ تھا کہ جب بھی آپ جیل کی چار دیواری سے باہر قدم رکھتے تو ان کا جذبہ حریت اور چمک اٹھتا وہ احباب کے جھرمٹ میں نہایت خندہ جبین نظر آتے اور اپنے ارادوں کی تکمیل کو پھر کمر باندھ لیتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک باپوسی گناہ تھی اور بغیر اللہ تعالیٰ کے کسی اور کا خوف و ہراس محرومی ایمان کا سبب تھا۔ وہ باطل کے خلاف ہر طرح کی جنگ لڑنے کو اسلامی شعار بتلاتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے کہ مومن وارث کائنات ہوا کرتا ہے۔

عالم ہے فقط مومن جانہاز کی میراث

مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

مملکت پاکستان کے قیام کے بعد مرزا نیت نے اپنی تبلیغی کارروائیاں تیز کر دی تھیں۔ امیر شریعت اور ان کے رفقاء نے اس پر محاسبہ کیا تو تحریک ختم تحفظ نبوت کی پاداش میں ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں گرفتار کر لئے گئے۔ ایک سال بعد لاہور ہائی کورٹ نے مرافعہ وار کرنے پر مجبور دیا۔ مئی ۱۹۵۶ء میں آپ کو ملتان کے حدود میں سینٹی ایکٹ کے تحت نظر بند کر دیا گیا۔ عمر کے اس آخری حصہ میں امیر شریعت کی قید و

بند مسلمان حکومت کے دور کی پیداوار تھی۔ جس پر ان کے تاثرات کی ترجمانی اس شعر سے ہو سکتی ہے۔

دوستوں سے اس قدر حد سے اٹھائے جان پر

دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کے ساتھ اگر مرزائیت کے چہرے پر سے پردہ نہ اٹھایا جائے تو بہت سی ایسی حقیقتیں واضح نہ ہو سکیں گی جن کا تعلق دین کے اصول سے ہے۔ اور ہم یہ سمجھنے سے قاصر نہیں گئے کہ جماعت احرار دیگر مسلمان مرزائیت کے خلاف کن وجوہات کی بناء پر تھے۔

مسلمانوں اور مرزائیوں کا باہمی نزاع اس وقت شروع ہوا جب ۱۸۸۰ء میں مرزا غلام احمد نے ملہم من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا اور پھر یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بیعت لینے کا حکم فرمایا ہے۔ اس پر بھی انہیں اپنی تکمیل کا رنظر نہ آئی تو پھر ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا لعرہ بلند کیا اور ظلی نبی کی اصطلاح ایجاد کی۔ اس دعویٰ کے باوجود بھی تسکین خاطر نہ ہوئی تو نومبر ۱۹۰۳ء میں سیالکوٹ کے ایک جلسہ عام میں انہیں یہ اعلان کرنا پڑا کہ میں مثیل کرشن بھی ہوں۔ اور ہر مذہب کے لئے اوتار بھی۔ دعویٰ نبوت سے پہلے مرزا صاحب عیسائی مشنریوں سے مناظرہ کرنے کے لئے جاتے تو ان کے ساتھ مولوی محمد حسین بٹالوی بھی ہوتے گویا مرزا صاحب سے پہلے کسی کو کوئی تعرض نہ تھا۔ جب انہوں نے خاتم النبیین کی نبوت پر ہاتھ صاف کرنے کی ٹٹائی اور اپنے ملہم من اللہ ہونے کے زعم میں مبتلا ہوئے تو وہ لوگ بھی ان سے علیحدہ ہو گئے جو پہلے ان کے ساتھ شریک مناظرہ عیسائیت وغیرہ ہوتے تھے۔ اور مسلمانوں میں ان کے اس دعویٰ نے سبجان کا عالم پیدا کر دیا۔ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتے تھے لیکن خاتم النبیین کی مہر کے توڑنے والے کو کیونکر گوارا کرتے۔ مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت مسلمانوں کے ایمان پر یخز کے مترادف تھا۔ ہر طبقہ کا مسلمان برا فروختہ ہو گیا۔ جوانی کارروائی میں علماء کے فتوے چھینے لگے۔ سب سے پہلے ۱۸۹۰ء میں لدھیانہ کے علماء نے فتویٰ دیا جن میں مولانا محمد عبد اللہ اور مولانا عبد العزیز مولوی سید نذیر حسین محدث دہلوی پیش پیش تھے۔ پھر آگرہ حیدر آباد اور بنگال کے علماء نے بھی مرزا صاحب کے خلاف فتوے صادر کئے۔ اس طرح سے مرزا صاحب کی نبوت و مہدویت نزاع کا باعث بن گئی۔ لیکن یہ نزاع ابھی تک عام سطح پر نہیں آیا تھا کہ عوام بھی اس سے باخبر ہوشیار ہو جاتے۔ مولانا ظفر علی خاں مرحوم مدیر زیندار اخبار نے اس ضمن میں زور دار مقالے اور نظمیں لکھیں۔ گویا تقریر و تحریر کا کوئی ایسا پہلو نہ تھا جو انہوں نے مرزائیت کو بے نقاب کرنے میں استعمال نہ کیا ہو۔ حتیٰ کہ "ارمغان قادیان" کتاب لکھ کر انہوں نے مرزائیت کے خلاف مستقل مواد چھوڑا ہے۔ مولانا ظفر علی خاں کی پیدا کی ہوئی عوامی تحریک کا یہ اثر ہوا کہ سیاسی و دینی حلقوں نے بھی مرزائیت کے خلاف جدوجہد کرنے کی ٹٹائی لی۔ چنانچہ جو دھری افضل حق مرحوم جو جماعت احرار کے روح رواں اور مخلص ترین رکن تھے۔ نے اپنے احرار رفقاء کو مرزائیت کے خلاف آمادہ پیکار کیا۔ حضرت امیر شریعت پہلے ہی سے شان رسالت پر جان نچاؤ کرنا جانتے تھے۔ اور ان کا خلاصہ ایمان بھی یہی تھا کہ عصمت نبی کے تحفظ پر جان کی بازی لگا دینا ہزار سالہ عبادت سے افضل ہے۔ میدان عمار بہ میں ٹکل آئے اور مرزائیت کے تار و پود بکھیرنے لگے۔ ملک کے

چپے چپے میں پھرے اور مرزائیت کی اس حقیقت کو بے نقاب کیا۔ جو اصول اسلام کے منافی اور تضاد میں تھی۔ اور یہ بھی ثابت کیا کہ مرزا صاحب کی نبوت حکومت برطانیہ کی مرہون منت ہے۔ اور مرزائی برٹش امپریزم کے کھلے دہشت ہیں۔ کیونکہ مرزا غلام احمد کتاب ابرہہ کے حاشہ میں خود لکھتے ہیں۔

”میرے والد کو انگریزی حکام نے خوشنودی مزاج کی چٹیاں دی تھیں۔ سر لیپل گرین نے اپنی کتاب ریڈیان پنہاب میں ان کا تذکرہ کیا ہے“

ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیز صفحہ نمبر ۲۱۹ بابت جون جلد ۵ نمبر ۶

امیر شریعت اکثر فرمایا کرتے کہ نبوت کا صحیح معیار معلوم کرنا ہو تو اس کے خاندان کے کوائف پر غور کر لینا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ نبوت کے لیے جو گھرانہ چنا جاتا ہے وہ بھی اسی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے جن سے اس کی امتیازی حیثیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ وہ تعلق اور علانہ ذنیت سے بالکل مبرا ہوتا ہے۔ لیکن مرزا صاحب کے خاندانی حالات اس کے بالکل برعکس ہیں۔ ان کے بزرگوں نے ہمیشہ حکومت وقت کی اطاعت و غلامی میں اپنی زندگیاں بسر کیں۔ غلام محمد مرزا صاحب کے دادا اور ان کا والد گل محمد رام گڑھیہ اور کھنیا سکھ جماعتوں سے لڑتے رہے غلام محمد اپنی جائیداد کھو کر سردار فتح سنگھ اہلو الیاء کی پناہ میں بیگوال چلا گیا جہاں بارہ سال تک مقیم رہا۔

ہمارا ہر نسبت سنگھ نے غلام محمد کی وفات پر اس کے بیٹے غلام مرتضیٰ اور مرزا غلام احمد کو واپس بلا کر جدی جاگیر کا بہت حصہ واپس دے دیا۔ جب پنجاب کا انگریزوں سے الحاق ہو گیا تو خاندان کے دوسرے افراد کی جاگیر ضبط کر لی گئی۔ لیکن غلام مرتضیٰ اور اس کے بھائیوں کو سات سو روپے بطور پیشین ملے رہے۔

جب انگریز ملک پر مسلط ہو گیا تو مرزا صاحب کے خاندان نے ان سے بھی اطاعت کا رشتہ قائم کر لیا اور ۱۸۵۷ء کے دوران نہایت وفادارانہ خدمات انجام دیں۔ مرزا غلام مرتضیٰ نے بہت سے آدمی بھرتی کئے۔ اس کا بیٹا غلام قادر جو مرزا غلام احمد کا بھائی تھا اس وقت جنرل ٹکسن کی فوج میں تھا۔ اس نے ۳۶ نیوا انفنٹری سیکلوتھ کے باغیوں کو تہ تیغ کیا۔ جنرل ٹکسن نے غلام قادر کو ایک سند عطا کی جس میں یہ لکھا تھا کہ ”ان کا خاندان قادیان ضلع گورداسپور کے تمام دوسرے خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا ہے“ یہ سب واقعات سر لیپل گرین نے اپنی کتاب ریڈیان پنہاب میں لکھے ہیں۔

امیر شریعت ان واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ میں ان حالات کی روشنی میں کہتا ہوں کہ مرزا صاحب کی نبوت انگریز کی مرہون کرم ہے۔ اور یہ اس کا خود کاشتہ پودا ہے۔ جو مسلمانوں میں تقریباً پیدا کرانے کے لیے کاشت کیا گیا تھا۔ تاکہ ملک کی وحدت فکر پارہ پارہ ہو کر مغلوب بن جائے۔ اس لئے ہم یہ عزم لے کر اٹھے ہیں کہ ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دیں گے۔ لیکن کسی باطل مدعی نبوت کے انکار کو ملک میں نہ پھیلنے دے گے۔ اور ہم ہر اس حکومت کا مقابلہ کرنے کو بھی تیار ہیں گے جو مرزائیت کے نظریات کو پھیلانے کی روادار ہوگی۔

امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیشہ اس ایمان افروز جذبے کے ساتھ مرزائیت کے استیصال پر کمر

باندھ رکھی تھی۔ وہ ہر سیاست سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ لیکن مرزائیت کے خلاف ان کی جدوجہد اس وقت بھی قائم رہی جبکہ وہ ذیابیطس و فلج جیسے موذی مرض میں مبتلا تھے۔ علالت کے ایام میں بھی حضرات کو شرف دیدار میسر آیا ان سے فریضے کراہے انشاء جواب دے رہے ہیں تمام وجود باغی بن گیا ہے میں نے اس کے ساتھ بہت زیادتیاں کی تھیں۔ اب یہ انتقام پر اتر آیا ہے۔ کچھ تو شہ آخرت پاس نہیں البتہ ایک چیز پر فلح آخرت کی امید رکھتا ہوں وہ یہ کہ تمام عمر عصمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ پر صرف کر دی ہے۔ وہ یقیناً موجب نجات اور وجہ عافیت دارین ثابت ہوگی۔

اسیر شریعت کی پذیرائی بارگاہ نبوت میں یقینی ہے۔ کیونکہ اسیر شریعت کی زندگی کا ہر پہلو احیائے دین و سنت کا آئینہ دار تھا ان کے افعال و اقوال کا کوئی ایسا گوشہ نہ تھا جو اسلام کے جذبہ سے بھرپور نہ ہو۔ وہ کنز کی طاغوتی طاقت سے نبرد آزما رہا تو دین کی خاطر اور حکومت وقت کا باغی کھلایا تو دین کے لئے۔ اس نے اپنی تمام عمر مشکلات کے حوالے کیا تو دین ہی کی غرض سے۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں ہتھیاریاں اور پاؤں میں بوجھل بیڑیاں گوارا کیں تو دین ہی کی عظمت کے لئے۔ باطل سے لڑا اور ایٹنوں سے بگڑا تو صرف دین کی خاطر اس نے راحت و آسائش کے تمام شعبے موقوف کر دیئے۔ اس کی زندگی کا ہر لمحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس پر قربان ہوتا رہا۔ اور وہ آخر دم تک عشق کی اس گرمی میں مست و بنود رہا۔ تو کیا اس اشار و قربانی کو اس کے حضور پذیرائی کا کوئی درجہ نہیں ہوگا۔ کیا اس کی رحمت اپنے والد و شیدا کے لئے مقرر نہ ہو گی۔ کیا اس کی مخلصانہ جدوجہد کا کوئی صلہ نہیں ہوگا۔

یقیناً ہو گا وہاں بے انصافی کو راہ نہیں ہے۔ وہاں وابستگان پر رحمت و کرم کی نظر فرمائی جاتی ہے۔ اور خلقت قرب کی نعمتوں سے سرفراز فرما کر اس کے ذکر کو یہ عظمت دی جاتی ہے کہ دوست و دشمن اس کے محاسن کے قائل اور اس کے کردار کے دلدادہ ہو جاتے ہیں۔ بہت سی یادیں ایسی ہیں جو موت کے ساتھ دفنی ہو جایا کرتی ہیں۔ مگر جنہیں اس کی مشیت میں زندہ رکھنا ہوتا ہے۔ وہ مرور زمانہ کے باوجود بھی زندہ رہتی ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ مرنے کے باوجود بھی مرنے والا زندہ ہے۔ بظاہر اس وقت اسیر شریعت ہم میں نہیں ہیں۔ اور عرصہ ہوا ان کی آواز کے رسیلا پن سے ہمارے کان مرموم ہیں۔ اور نگاہ جستجو ہزار سعی و تردد کے انہیں تلاش نہیں کر سکتی۔ لیکن دل کی گھمرائیوں اور دماغ کے بالا خانوں پر ان کا قیام ابھی تک ہے۔ وہ نظر نہیں آتے لیکن ان کی رنگینی طبعیت اور پاکیزگی فطرت آج بھی ہماری محافل کو درگاہیں بنا رہی ہے۔

شباب رنگیں جمال رنگیں وہ سر سے پانچ تمام رنگیں

تمام رنگیں بنے ہوئے ہیں تمام رنگیں بنا رہے ہیں

بزرگان دین کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنہیں دین میں مقبولیت کا درجہ دیا جاتا ہے اور ان کے ذریعہ سے توحید و رسالت کی تبلیغ کا کام لیا جاتا ہے تو وہ حب مال اور منصب و جاهت کی تمنا سے بے نیاز رہتے ہیں۔ وہ بظاہر دنیا کے مشہور ترین انسانوں میں شمار ہوتے ہیں لیکن ان کی اندرونی زندگی فقر و خناس سے اس قدر مملو ہوتی ہے کہ کوئی اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔

امیر شریعت کی زندگی پر جب غور کیا جاتا ہے اور حالات کے غما کے مرتب ہوتے ہیں تو ہمیں ان میں بھی فقر کی شاز اور غنا کی آن معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے سامان دنیا کو کبھی اپنی راحت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ کسی سے کچھ لینے کے روادار نہ ہوئے۔ کسی کے ہاں دست سوال دراز نہ کیا۔ فاقوں پہ فاقے ہوئے تو چہرے کی مسکراہٹ اور پیشانی کی تابانی میں فرق نہ آیا۔

مستحقین سے مروت کا ہاتھ کبھی نہ کھینچا۔ جو کچھ موجود ہوتا آگے رکھ دیتے جھائے دوست اختر آبادی بتلاتے ہیں کہ: ”میری ہمیشہ چائے سے

ضیافت فرماتے۔ ایک دفعہ چائے لائی گئی تو بجائے نگر کے نمک استعمال ہوا۔ میں نے غراٹھا کھا شاہ جی میں تو پہلے ہی نمک خوار ہوں۔ فرمایا۔ با بویہ بات نہیں۔ ہفتہ بھر سے گھر میں نگر نہیں ہے۔ اس لئے بلا تکلف نمک استعمال کر رہا ہوں۔ اور دوستوں کو بھی نمکین مزہ سے آشنا کرنا چاہتا ہوں۔ پھر نمکینی اور حلاوت پر بات چھڑ گئی تو فارسی اور اردو کے اشعار کے دفتر کے دفتر لگ گئے۔ اور چائے کا ہر گھونٹ نمکینیت میں حلاوت کا ایسا مزہ بن گیا کہ اس کے سرور سے آج بھی روح کو کیف و خمار کی جاشنی موس ہوتی ہے۔ اور ساقی کے چل دینے پر بھی وہ تمام لذتیں باقی ہیں جو ان کے ہوتے ملتی تھیں۔“

اگرچہ میکدے سے اٹھ کر چل دیا ساقی

وہ سئے وہ خم وہ صراحی وہ جام باقی ہے

اللہ اللہ شہرت کا یہ عالم کہ چار دانگ عالم میں دھاک بیٹھ گئی ہو۔ لوگ راہوں پر یوں منتظر کھڑے ہیں جیسے ان کا محبوب ان کے خراب آباد کو اپنی شریعت آرزائی سے آباد کر رہا ہو۔ اور ہر دل سے یہ صدا آرہی ہو۔

بہ شرف تشریف قدم خود زانے  
شرف کین خراب آباد مارا

لیکن یہاں یہ حال ہے کہ امارت کی سب راہیں محدود دولت کے سب دروازے بند تھلید اسلاف میں نان جوں پر گزارا۔ اس پر طرفہ فضیلت یہ کہ ہر سانس میں اطمینان و سکون کی بشارت اصل بات اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن نفوسِ قدسیہ کو اپنی مودت میں چن لیتے ہیں۔ انہیں طمانیت قلب عطا فرما کر رعبت دنیا سے بے نیاز کر دیا کرتے ہیں۔ اور اس کی توقیر میں لوگوں کے قلوب کو سسڑ کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کی عظمت اور وہابیت کے سامنے کسی کو مجالِ انکار نہ ہو۔ دیکھنے والے حضرات ابھی اس دنیا میں باقی ہیں کہ انہوں نے امیر شریعت کے سامنے دوست دشمن کو سرنگوں ہوتے دیکھا ہے۔ اور ان کی دلبری کے گیت گاتے سنا ہے۔

حالتہ الناس سے لیکر عارفین و کاملین تک امیر شریعت کو مقبولیت کا درجہ حاصل تھا۔ وہ ہر ایک کے عزیز اور محبوب تھے۔ اور ہر انسان کے دل میں ان کی محبت تھی۔ لوگ ان کی راہوں پر آنکھیں بچاتے اور ان کی اداوں پر دل بھار کر رہتے تھے۔

بیسیوں محراب کا مشاہدہ ہے کہ سراج السالکین حضرت خلیفہ عظام محمد قدس سرہ العزیزہ دینی پوری کی

خدمت میں جب حضرت امیر شریعت نے حاضری دی تو حضرت خلیفہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کی تعظیم میں باوجود ضعف پیری کے بھی سر وہ کھڑے ہو گئے اور امیر شریعت کو اپنی دعاؤں و نوازشات خصوصی کا سہن جانا۔ ایک صاحب دلالت و منبع روحانیت کا امیر شریعت سے اس طرح کا سلوک کرنا اور ان کو دل سے چاہنے کا مقصد بجز اس کے اور کوئی نظر نہیں آتا کہ حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ معرفت نے ان کی خصوصیات خفی و جلی کو پہچان لیا تھا۔ جس انسان پر عارفین و کاملین کی نظر انتخاب پڑ گئی ہو وہ لاریب امتیازی حیثیت کا حامل ہوا کرتا ہے۔ یہی بات تھی کہ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کامل یقین کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا فضل ہے کہ میری آنکھ کبھی سبلی نہیں ہوئی۔ دنیا بھر کی ہوبیٹیاں میری بیٹیاں ہیں۔ میری فطرت سے کسی کی عصمت کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ اور نہ ہی مجھ سے خیانت کا ارتکاب ہوا اور نہ ہی میرے ہاتھ سے کسی کو کوئی نقصان پہنچا ہے۔

امیر شریعت کے اس بیان کی صداقت معق ہے کیونکہ آج تک موافق و مخالف نے ان کے اس دعویٰ کی تکذیب نہیں کی۔ اور نہ ہی کوئی کر سکتا ہے۔ جس کا دامن طہارت و پاکی کے پانی سے دھلا ہوا اس پر اہتمام و الزام کے دجے کیونکر ہوں اور کسی کو یہ جرأت کیوں ملے کہ وہ آب زمزم کو بد ذائقہ اور بد بودار پانی سے کشیدہ دے۔

امیر شریعت کی زندگی کا ہر پہلو اور ہر قرینہ ان کی پاکیزگی فطرت کا آئینہ دار ہے۔ وہ علوت میں ہوں یا جلوت میں ایک پاکباز اور پاک نفس انسان نظر آتے ہیں۔ ان کی ہمہ گیری اور دہوئی کا یہ عالم تھا کہ آج تک ہر مقرر و خطیب انہیں کے طرز خطابت کے نقوش کو اجاگر کئے پھرتا ہے۔ اور اپنے تعلق کو ان کے آستان سے وابستہ کرنا اپنی عزت سمجھتا ہے۔ آج کی انجمنیں ان ہی کے سوز عمل کا پر تو اور انہی کے کاربائے نمایاں کا عکس جمیل ہیں۔

یک چراغیت دریں خانہ کہ از پر تو آن  
ہر کجا سے نگری اجنبی ساختہ اند

ہم اس موقع پر اس حقیقت کے اظہار سے بھی خاموش نہیں رہ سکتے کہ امیر شریعت کے ساتھ جن لوگوں کو خصوصی تعلق تھا اور وہ ان ہی کی بدولت پہلے پہلوے اور مشہور عالم ہوئے افسوس کہ آج ان میں سے بعض کا مزاج انکسار و اخوت کے جذبہ سے محروم ہو کر رہ گیا ہے وہ امیر شریعت کی ساری تعلیم بھول گئے ہیں اور ان کے اطوار مخلصانہ کو انہوں نے گلدستہ طلاق نسیاں بنا دیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ حضرت امیر شریعت کے باقیات صالحات اولاد سے بھی کنارہ کشی اختیار فرماتے ہیں۔ حالانکہ وہی اولاد ہے جن سے بخاری کی آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی تھی۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کا احسان یہ ہے کہ ان کی اولاد میں اپنے اسلاف کے مقام کو محفوظ رکھنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا احساس ہے۔ ہم دلیل کے طور پر ان کے فرزند جلیل فاضل روزگار حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری مدظلہ کو پیش کرنے میں کسی طرح کا تردد محسوس نہیں کرتے وہ اپنے والد محترم کی روایات کو زندرہ رکھنے اور ان پر عمل پیرا رہنے کی سعی میں رہتے ہیں۔ اللہ کرے ریاض امیر شریعت کے یہ پھول ہمیشہ

گلغٹہ رہیں۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حضرت امیر شریعت کی خطابت شخصیت اطلاق و عادات سے متعلق تھا اور ان کی مجاہدانہ زندگی کے چند ایسے خاکے تھے جو بر عظیم پاک و ہند کی دستوں میں بھیلے ہوئے ہیں۔ اب ہم ان کے اس پاکیزہ فکر اور ذوق طبیعت کا ذکر کرتے ہیں جو ان کے نہال خانہ دل سے نکل کر شاعری کے روپ میں ہمارے سامنے آیا ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا:

ان من الشعر لحکمتہ وان من البیان لسحر

بعض اشعار حکمت سے مملو ہوتے ہیں اور بعض خطابت جادوگری کا کام کرتی ہے۔

حضرت امیر شریعت کی خطابت کی جادوگری تو مسلمہ ہے۔ لیکن جب ہم ان کی شاعری پر غور کرتے ہیں تو وہ بھی حکمت کے موتی بکیر نے میں کسی سے کم نہیں ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جنہیں خطابت کاملہ کے ساتھ شاعری کا ملکہ بھی ودیت کیا گیا ہو۔ اور یہ دونوں چیزیں یکجا جمع ہوئی ہوں۔ امیر شریعت کی سخن فہمی اور رحمت ادب کا علم تو ہر کسی کو تھا۔ لیکن بحیثیت ایک شاعر کے انہیں بہت کم لوگ جانتے تھے حتیٰ کہ یہ راز بعض مقررین سے بھی مخفی تھا۔

جب ان کے فاضل فرزند چائین سید ابو ذر بخاری مدظلہ نے انکا مجموعہ کلام سواطع الالہام کے نام سے شائع کیا تو معلوم ہوا کہ امیر شریعت کی زندگی ابتداءً اس طرف راجع تھی گھریلو تعلیم کے ادنیٰ ماحول نے انہیں مجبور سخن گوئی کر دیا تھا انہوں نے اصطلاح کلام کی خاطر میر سید علی محمد شاد عظیم آبادی مرحوم سے رجوع کیا اور مشق سخن جاری رکھی۔ موزنی طبع نے شاعری کے ملکہ پر گل بوٹے لگائے۔ آپ کے دل کی دینی ہوئی چٹکاریاں شعلے بن کر نکلیں۔ جنہیں مولانا محمد دین غریب مرحوم امرتسری نے علم و ادب کے صمیم زلویہ کے مطابق ترتیب دیا۔ یعنی بحیثیت استاد فی کے انہیں دیکھا اور پرکھا۔ لیکن امیر شریعت کا یہ ذوق جلوہ آرائیوں سے اس لئے محروم رہا کہ قدرت نے انہیں درحقیقت خطابت قوم کے لئے تیار کیا تھا۔ شاعری کوئی فرکی بات نہیں ہے۔ البتہ بعض دفعہ شاعری کو یہ عزت ضرور ملی ہے کہ اسے کسی کے اچھے دامن سے وابستہ ہونے کا موقعہ میسر آیا ہے۔ یہی حال امیر شریعت کی شاعری کا بھی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ انہوں نے شاعری کو نہیں چنا بلکہ شاعری نے انہیں اپنے لئے منتخب کیا ہے کیونکہ کلام کی بلندی، پاکیزگی اور ترکیب معاوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شاعری ہی کو معراج ترقی کی عزت بخشی ہے کسی کے کلام سے اس کے عقیدہ و حالات اور کوائف کا پتہ کیا جاسکتا ہے اور اس کے نظریات فطرت کا علم ہوتا ہے اور اس کی طہنت بکھر کر سامنے آجاتی ہے۔

امیر شریعت کے کلام سے بھی ہم ان کے حالات عقائد اور گرد و پیش کے حالات کا جائزہ لیں گے۔ تاکہ ان کی شخصیت کے بعض پنہاں پہلو بھی واضح ہو سکیں۔

تصوف سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کسی کا کمال تسلیم کرنے میں اس کے عقیدہ و تصرف پر غور

کرتے ہیں کہ وہ اس منزل میں کس حد تک تحقیقی راستہ طے کر چکا ہے۔ امیر شریعت کا حال ان کے تصوف میں ان کے اس شعر سے معلوم کیا جاسکتا ہے جس کے ذریعہ انہوں نے وحدت وجود جیسے مشکل مسئلہ کو نہایت صاف و سہل انداز میں واضح کیا ہے۔

وحدت بوجد و حالت کثرت در آمدہ  
حرکت بجلوہ۔ جلوہ بمرکت در آمدہ

اسی مفہوم کو اور زیادہ صاف کر کے فرمایا

ذروں سے تابہ مہر ستاروں سے تا چمن  
عکس جمال یار کی تابندگی ہے دوست

وحدت وجود کا نظریہ بیان کرتے ہوئے امیر شریعت نے نہ تو روش منور رحمۃ اللہ علیہ اختیار فرمائی ہے اور نہ ہی جاہلانہ وحدت وجود کی بنیاد رکھی ہے۔ بلکہ اس نازک ترین مسئلہ کو ہر طرح کی منطقی و عقلی آلائش سے پاک رکھا ہے تاکہ طریقت و شریعت میں ٹکراؤ نہ پیدا ہو اور مفاد و منفعت کے بجائے خسارہ و نقصان کا شکار نہ ہونا پڑے۔ کیونکہ اس راہ کی دشواریاں بڑے بڑے صاحب عقلیت بزرگوں کے پائے ہمت کے لئے تزلزل کا باعث بنی ہیں۔

در حقیقت یہ مسئلہ اظہار و بیان کا نہیں بلکہ عمل و محنت کا ہے اور وہ بھی کسی کامل کی دستگیری کے ذریعے حل ہو سکتا ہے۔ یہاں ہوش و خرد کی دنیا سے بات نہیں ہوتی بلکہ وارفتگی اور ذوق کا عمل و مخلصانہ جذبات کام آتے ہیں اور عشق کی جولاں راہ نور منزل بن جایا کرتی ہیں۔

حضرت امیر شریعت چونکہ ان کھنسن منازل کو طے کر چکے تھے اس لئے اس موضوع پر انہوں نے جو کچھ بکھاروا ان کے مشاہدہ کی بات ہے اور وہ صحیح طور پر جانناں کی تصویر پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

مسلمان کی عقیدت و ارادت کا اگر کوئی گوشہ یا وجود اس دنیا میں باقی ہے تو وہ صرف سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس و مطہر ہے جس کے ذریعہ سے انسان کو اپنی حقیقت کا علم ہوا اور مقام ربوبیت کی شناسائی حاصل ہوئی۔ کیونکہ اس وجود گرامی کی شریعت آوری ان ہی کھانصوں کے سبب تھی۔ اسے تزکیہ نفوس کی ایسی قدرت ملی کہ انسان کی ضلالتیں رفع ہو کر رہ گئیں۔ اور راہ حق کی راہنمائی ہونے لگی۔ اس لئے ایسی ذات مقدس سے نسبت ارادت قائم کرنے اور وابستگی رکھنے کے لئے بھی ادب جمیل اور ہوش کامل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہاں پر تعمیری سی لغزش گرفت و عتاب کا سبب بن جاتی ہے اور پھر عمر بھر کے لئے رسوائی و ذلت نامرادی و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ اس لئے عارف رومی نے فرمایا تھا

باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

اس ادب کو یوں تو ہر مسلمان ملحوظ رکھتا ہے لیکن جن لوگوں کو عشق کی خصوصی گرمی اور نعمت ملی ہے وہ اس منزل میں رہنے پر اس قدر محاسبہ کرتے ہیں کہ حضور رسالت میں انہیں حواس کی دنیا سے کوئی واسطہ نہیں رہتا۔ عقل و خرد کی تمام قوتیں مسلوب و عاجز ہو کر رہ جاتی ہیں ان کے قلوب کی دھڑکنیں تیز ہو جایا کرتی



ہیں اور ان کے رگ و پے میں احساس کی یہ آواز آنے لگتی ہے۔

عقل قربان کی بہ پیش مصطفیٰ

ہم جب امیر شریعت کی ان نعتوں پر غور کرتے ہیں جو انہوں نے باگاہ رسالت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے تو ہمارا ذہن ان نفوسِ قدسیہ کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ جن کا ذکر اوپر کی سطور میں کیا گیا ہے اور ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ امیر شریعت بھی جناب رسالت میں اسی اوب و احترام کے پابند ہیں جو عارفین و کاملین کی زندگی کا خاصہ ہے اور جس کی بناء پر وہ بارگاہ نبوت میں خراف پذیرائی کا درجہ حاصل کئے ہوئے ہیں۔ آپ کی نعتوں کا انداز مستندین کے انداز بیان و عقیدت سے اس قدر ملتا ہے کہ امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس نعت پر غور کیجئے کہ کس قدر مستندین کے طرزِ کلام سے ملتی جلتی ہے۔

لولاک ذرہ زہان محمد است

سبحان منی براہ چہ شان محمد است

جب دل کی گھمرائیوں میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نقشِ دوام کی حیثیت اختیار کرتی ہے تو پھر روحانیت کی جلوہ پاشیاں بھی اسے اپنا مسکن بناتی ہیں۔ اس عالم میں جب کوئی وارفتہ محبت اپنے محبوب اور مقصود حیات کے لوصاف میں کچھ کہتا ہے تو اس کا بیان مشاہدہ جمالِ یار سے خالی نہیں ہوتا۔ اور وہ جو کچھ کہتا ہے دید کی لذتوں سے سرشار ہو کر کہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت میں امیر شریعت کی ایک نظم جہاں ان کی الوہیت و عقیدت کے مقام کو نمایاں کرتی ہے وہاں ان کے اپنے مرتبہ کا بھی پتہ دے جاتی ہے۔ جس کا مطلع ہے کہ

ہزار صبح بہار از نگاہ می چکدش

جنوں ز سایہ زلف سیاہ می چکدش

امیر شریعت کی اس نعت سے ان کے ظرفِ بلند کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ کہ وہ کس قدر جمال رسالت کے فریفتہ تھے۔

پچھلے اوراق میں ان کی پاک داسی پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ایک حقیقت ہے نہ کہ افسانہ لیکن انہوں نے ذیل کے اشعار میں اپنی تر داسی کا جس طرح سے ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی بندگی کو متاعِ حقیر سمجھتے ہیں۔ لیکن کسی کے کرشمہ ناز اور نواز شہنائے بے پایاں پر اس قدر بے سرو سے کہ یقین کامل کے ساتھ یہ یکاراٹھتے ہیں۔

نازنینان جہاں ناز فراموش شدند

کہ گدائے تو ہا انداز دگر می نازد

ناز دارد بہ در افشائی خود ابر بہار

درد مند تو بنا سورِ جگر می نازد

پارسیان ہمہ نازند بہ زہد و طاعت

یک ندیم است کہ بر دینِ تری نازد

مقطع کے شعر میں ہر دامن تمکا ناز سے حضرت ندیم کے اعتماد و یقین کی کئی داستانیں مرتب ہو سکتی ہیں اور بلا کسی خوف تردید کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی ترداسنی ہی کو مایہ پذیرائی بنایا ہے۔ تاکہ غرور زہد و نخوت اٹھا کے حملہ و غلبہ سے صلاحیت فطرت غارت نہ ہو سکے۔ ایسی ترداسنی پر ہزار ہا تقویٰ و طہارت قربان ہوں جس کے ہوتے ہوئے منزل مراد حاصل ہو۔ کسی بدست نے کیا خوب کہا ہے۔

تر داسنی پہ شیخ ہماری نہ ہائیو  
داسنی نہوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

اسی ترداسنی مرد کامل کی بے نیازی کا عالم ملاحظہ کیجئے۔ کہ خوان شاہی کے مقابلہ میں ایسی نان جویں ہر کس ہر نازاں ہیں اور سایہ قد یار میں لمحہ بھر کی زندگی کو چتر شاہی سے ترجیح دیکر کس ہر فر فر موس کرتے ہیں۔ اٹکا یار محبوب اور مقصود حیات کیسا حسن و خوبی کا سراپا ہو گا کہ حضرت ندیم دنیا کی ہر آسائش و راحت اور اعزاز کو اس کے مقابل بیچ جانتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ نواز شہائے جاناں نے امیر شریعت کو ہر چیز سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس لئے وہ منت کش غیر نہیں ہوتے اور نہ ہی کسی کا وقار و دبدبہ انہیں مرعوب کر سکتا ہے۔ فرمایا۔

یک نان جویں ز خوان شاہی خوشتر  
از چنگ و رہاب آہ صیغہای خوشتر  
از تیر نگاہ زغم کاری دارم  
خون جگرم زمرغ و مایہ خوشتر  
یک لفظ بزیر سایہ قد یار  
واللہ۔ زہزار چتر شاہی خوشتر

دیکھا شیخ ترداسن جب مستی میں آئے تو دعویٰ ترداسنی ببول گئے اور اپنی آہ صیغہای کا اقرار و اعتراف کرنے لگے۔ جو ان کی زندگی کی صیغ تصویر ہے۔ مقام پارسانی چھپانے سے نہیں چھپتا۔ عطر آست کہ خود بویہ نہ کہ عطار بگوید لوگ الزام تراشی کے دلدادہ ہیں وہ کسی کو رسوا اور بدنام کرنے میں تامل نہیں کرتے۔ بلکہ ان کے نفس میں بد اطوار کو تکلیف اسی عمل سے ملتی ہے۔ ایک دور ایسا آیا کہ امیر شریعت کو وہابی، گستاخ، اور منکر ولایت کے الزام کا ہدف بنایا گیا اور ہمیں قسم ایسے ایسے الزام تراشے گئے کہ جن کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ آپ علالت کے اس دور میں بھی نہایت پامردی کے ساتھ خدفت دین انعام دیتے رہے۔ ہر صاحب و ولایت ان کے نزدیک واجب احترام اور لائق پیروی رہا۔ انہوں نے ہر سلسلہ کے بزرگ سے ارادت و عقیدت کے راستے تلاش کئے اور ان کے کمال عرفان کے گیت گانے لگے۔ چنانچہ مثال کے طور پر ہم ان کے وہ اشعار پیش کرتے ہیں جو انہوں نے چتر سلسلہ کے ایک کامل بزرگ صاحب ولایت حضرت خواجہ غلام فرید ہاچڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشقت میں کہے ہیں۔ ان اشعار سے امیر شریعت کے عقیدہ ولایت پر واضح طور پر روشنی پڑتی ہے۔

گھنٹن عشق چشتیاں بہ طہید  
شعلہ اش خواجہ غلام فرید  
ہر کہ از عشق جرم نہ چید  
او چہ داند کہ چیت خواجہ فرید  
مرغ کفرم ز آشیان بہ پرید  
نالہائے فرید چوں بہ شنید  
سرمد چشم شد بخاری را  
خاک پائے غلام خواجہ فرید  
حسرتے از دل ندیم نہ رخت  
کہ نصیبش نہ شد نگاہ فرید

ان اشعار کے مطالعہ کے بعد اب بھی کوئی یہ کہے کہ امیر شریعت بزرگان دین اور اہل روحانیت کے منکر تھے تو یہ معترض کی بے بصری ہوگی۔ اور ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ جن لوگوں نے عادتاً تعصب کی بٹی آنکھوں پر باندھ رکھی ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمیشہ کے لئے حقانیت بینی سے محروم کر دیا ہے۔ اور ان کی فطرت بد نے انہیں گمراہی و ضلالت کے غار عین میں ایسا گرایا ہے کہ وہ منہبل ہی نہیں سکتے۔ اور ان کی عقل اس قدر ماؤف ہو جاتی ہے۔ کہ وہ سب کچھ دیکھتے اور سمجھتے ہوئے بھی صحیح فیصلہ کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بری گرفت ہے۔ عقل کا ماؤف ہو جانا یا حقانیت کی تہر تک نہ پہنچنا ایک ایسی نعمت سے محروم ہو جانا ہے جس کے بغیر تکمیل انسانیت قطعی نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی کوئی صاحب فہم اسے معقول تصور کر سکتا ہے۔

جنہیں اللہ تعالیٰ نے دولت عقل سے سرفراز کیا ہے وہ اختلاف اور معاندت کے ہوتے ہوئے بھی اپنے حریف کے محاسن و خوبیوں کا اعتراف کیا کرتے ہیں اور یہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے راست بازی کی علامت ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے انسان بہت سی لغزشوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد امیر شریعت اور ان کے ساتھیوں نے سیاست سے تو کنارہ کشی اختیار کر لی تھی لیکن مرزائیت کے خلاف اپنی جدوجہد کو تیز کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ مذہباً اس کے خلاف تھے۔ کہ ایک اسلامی مملکت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل کسی کے دعویٰ نبوت کا پرچار ہو۔ جبکہ دنیائے اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی نہیں آسکتا۔ کیونکہ حضور کی ذات مقدس خاتم النبیین ہے۔ چونکہ مرزا غلام قادیانی نے اس اصول دین کے برعکس دعویٰ نبوت کیا تھا اس لئے علمائے ربانی کو ان کے خلاف مذہبی جنگ لڑنی پڑ گئی ورنہ انہیں مرزا سے کوئی ذاتی کد و دشمنی قطعی نہ تھی۔ اس میدان کارزار میں امیر شریعت کی حیثیت کا فائدہ سالار کی تھی۔ انہوں نے مرزائیت کے خلاف آخر دم تک جنگ لڑی اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ شیعہ رسالت کے پروانے اور دین مصطفیٰ کے دیوانے اب بھی باقی ہیں جو عظمت دین اور عصمت رسول پر جان نپاؤں کرنا جانتے ہیں۔

ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ امیر شریعت نے درود

دین اور عقیق رسالت میں ناموس نبوت پر اپنی متاع حیات قربان کر دی اور برصغیر پاک و ہند کو مرزائیت کے خطرہ سے خبردار کیا۔ ان کے اعضاء پر حکومت غالب آچکی تھی۔ عناصر میں اب وہ اعتدال کہاں کا رنگ نمایاں تھا۔ ذیابیطس جیسے موذی مرض نے لگ بھگ پریشان کر رکھا تھا۔ لیکن بایں صفعت و نقاہت بھی وہ مرزائیت کے خلاف خواجہ ناظم الدین کے دور حکومت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ پاکستان کا کونا کونا چھان مارا۔ اور اس جرم کی پاداش میں گرفتار ہو کر سکھر جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں صعوبت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ یہ ان کا عقیق رسول تھا اور یہ احساس دین کہ وہ حق کی خاطر بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکر لے لیا کرتے تھے۔ ان کی سیاست ان کے دینی معاملات و امور کے تابع ہوا کرتی تھی۔ اور ان کی نظر میں محاسن دین کے علاوہ اور کوئی خوبی جمی ہی نہ تھی۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے میاں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دین کی راہنمائی فرمائی ہے۔ اس میں انسانی زندگی کی ہر طرح سے فلاح و بہبود موجود ہے۔ اس میں سیاست بھی ہے اور معاشرت کی مشکلات کا حل بھی۔ صرف میاں سے وابستگی چاہیئے۔

ترے نقش قدم کا ذرہ ذرہ

عبادت گاہ جان عاشقان ہے

بعض شخصیتیں ایسی صفات خصوصہ کا مجموعہ ہوتی ہیں کہ جن کی جاذبیت موافق و مخالف کو گرویدہ کئے رکھتی ہے۔ چنانچہ امیر شریعت کی شخصیت بھی انہی صفات کا خلاصہ تھی۔ ان کے حلقہ میں ہر طرح کے فکر و نظر کے لوگ جمع رہتے تھے۔ اور ارادت کلام بھرتے حتیٰ کہ نیاز مندوں میں مسلمان ہندو کمیونسٹ اور سوشلسٹ بھی شامل تھے۔ گرچہ ہر ایک کی سیاسی و مذہبی راہ الگ الگ تھی لیکن وہ امیر شریعت کی مغل میں اس طرح سے جبر رہتے کہ ان کے چہرے بھی ان کے باہمی نظریاتی اختلاف کی غمازی نہ کرتے۔ امیر شریعت یوں تو ہر اختلاف کو گوارا کر لیا کرتے تھے لیکن کمیونزم کے بارے میں وہ بڑے شدید تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اسلام کے خلاف ایک نہایت ہی خطرناک اور لائٹنا ہی سازش ہے۔ کیونکہ اس کا موجد کارل مارکس یہودی تھا۔ اور یہ مسلمہ امر ہے کہ یہودیت نے اسلام کے خلاف ہمیشہ سازشوں کا جال بچایا ہے۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ امیر شریعت نے سیاسی نہ تھے بلکہ وہ ایک پکے مسلمان اور اسلامی روایات کے تابع انقلاب آفرین انسان تھے۔ اس لئے وہ کسی ایسی تحریک کو برداشت نہ کرتے تھے جس سے اسلام کو گزند پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ حضرت امیر شریعت کی زندگی کا مطالعہ کرنے والے حضرات سے یہ فحشی نہیں کہ انہوں نے پاکستان میں بھی مرزائیت کی بد زور مخالفت کی چنانچہ تحریک تحفظ ختم نبوت نے زور پکڑا۔ ملک کے طول و عرض میں شیدایان رسالت ناموس نبوت پر جان کی بازی لڑنے کے لئے لگ لگ کھڑے ہوئے۔ لاہور میں گولی چلی۔ لیکن اس پر بھی جذبہ عقیق رسالت نہ دب سکا۔ ہر طرف سے مرزائیت کے خلاف احتجاجی جلوس نکلے۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں کی گرفتاری عمل میں آئی تو ۲ فروری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں حضرت امیر شریعت کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ ایک سال بعد رہائی ہوئی تو آپ کی صحت بہت زیادہ خراب ہو چکی تھی۔ خود

فرمایا کرتے تھے کہ سکھر جبل میں ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا گیا۔ جس کی وجہ سے صحت پر برا اثر پڑا ہے۔۔۔ اور عمر بھی ستر کے قریب پہنچ گئی تھی اور ذیابیطس کی تکلیف ایک عرصہ سے بلائے جان بنی ہوئی تھی۔ باہر آنا جانا تقریباً معطل ہو گیا تھا۔ لیکن پھر بھی متعلقین کے پیسم اصرار پر کسی نہ کسی جہلہ میں شریعت لاتے اور پرتا شیر خطاب سے عروق مردہ میں روح پھونک دیا کرتے کچھ عرصے کے بعد یہ سلسلہ بھی موقوف ہو گیا تھا۔ کیونکہ اب وہ اس قابل نہیں رہے تھے کہ سفر کی کوفت برداشت کرتے۔ البتہ ان کے مکان پر ہر وقت مغل جی رہتی اور ان کا چہرہ سد اہبار پھول کی طرح گلغفہ و تابندہ رہتا۔ یہ ان کی فطرتی خصوصیت تھی کہ وہ ہزار رنج و مہم بھی مغل احباب و ارادتمندوں میں ہنس مکھ نظر آتے تھے۔

ضعف نے پہلے ہی سے وجود گرامی پر تسلط جمارکھا تھا۔ ہر چند ڈاکٹروں اور یونانی حکماء نے تدبیر علاج کی۔ مرض بڑھتا چلا گیا آخر ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء بروز دو شنبہ کو غروب آفتاب کے وقت آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

انا لله و انا الیہ راجعون

ریڈیو پاکستان نے آپ کے وصال کی خبر نشر کی تو ملک کے طول و عرض میں غم و یاس کی لہر دوڑ گئی۔ دوسرے روز جنازہ اٹھا تو حد نگاہ تک لوگوں کا ہجوم سمندر کی طرح ٹٹاٹٹاں مارتا ہوا نظر آرہا تھا۔ لوگوں کی نواستہیوں اور گریہ و زاری نے مٹان کے در و دیوار سے اظہار تعزیت کی۔ اخبارات نے ہائے اور وائے کی سرخیوں سے اپنے محبوب خلیف کو نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ کہتے ہیں کہ پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلا جنازہ تھا جو اتنے ہجوم کے درمیان سے اٹھا اور لوگوں نے بصد خلوص خاطر کندھا دیا۔ حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات کھی تھی اور درس زندگی دیا تھا وہ حضرت امیر شریعت نے عملاً کر کے دکھا دیا۔

|      |       |       |     |       |       |
|------|-------|-------|-----|-------|-------|
| یاد  | داری  | کہ    | وقت | زادوں | تو    |
| ہم   | خداں  | بودند | و   | تو    | گریان |
| ہمیں | زی    | کہ    | بعد | مردن  | تو    |
| ہم   | گریاں | بودند | و   | تو    | خداں  |



یہ کہہ رہے ہیں تجھ سے شیدانِ راہِ عشق  
تو دل کا خون کر لے محبت کا خوں نہ کر

شاہ جی کا آٹو گراف..... (شورش کاشمیری کے لئے)